Vol. 5No.4 2021

HARF-O-SUKHAN
Urdu Research Journal of PAKISTAN

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

# خواتین افسانہ نگاروں کے افسانوں میں طنزیہ ومزاحیہ عناصر
## (تکنیک اور تصورات کے تناظر میں)

# SATIRE AND HUMOROUS ELEMENTS IN THE FICTIONS OF FEMALE FICTION WRITERS (IN THE CONTEXT OF TECHNIQUES AND CONCEPTS)

رخسانہ غفار

پی ایچ۔ڈی اُردو اسکالر، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر ریحانہ کوثر

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

**ABSTRACT**

*Humor and satire, in spite of being different from each other are inseparable. The purpose of the humor is to entertain, while satire reflects the inequalities and contradictions of society in a slightly bitter way, so that it can be remedied. As if the satirist's eye falls on the social ulcers, he wants to treat it with sweet pills, while the satirist performs the duty of surgery. The political, social and economic upheavals and changes that took place on the continent in the early decades of the twentieth century, especially after the First World War, all became the subject of myths. These political and social factors and their effects have been described by women fiction writers in a humorous way. Writings and attitudes have sought to create values that will eliminate these negative traits from society and promote positive roles and behaviors in society. The article under review discusses the fictions of women novelists who have a significant tendency towards satire. There is no shortage of satire in pure comedy fiction as well as serious women's fiction. There are elements of satire and humor throughout women's literature, especially in fiction. Literature is both a reflection of life and a pulse, especially fiction is the genre of literature that feels closer to human life. Women fiction writers have also taken the whole content of fiction from their environment and realities of life.*

**Keywords:** Humor and satire, inseparable, inequalities, satirist's eye, social ulcers, twentieth century, First World War, negative traits, significant

انسان زندگی کو اپنی تمام تر قباحتوں، کج ادائیوں، مصائب اور مشکلات کے باوجود عزیز رکھتا ہے اور اس کی قباحتوں کو اس طریقے سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اصلاح کا عمل درپردہ رہے۔ زندگی سے محبت کرنے والا شخص زندگی کی ناہمواری اور کج ادائی کو کبھی ہنس کر گلے لگاتا ہے تو کبھی اصلاح کی غرض سے ان برائیوں کو تضحیک آمیز بے رحم تنقید کا نشانہ بناتا ہے۔ زندگی کی طرف انسان کے اسی رویے سے طنز و مزاح کو تحریک ملتی ہے۔

مزاح سے مراد کسی عمل خیال، صورت حال، واقعہ لفظ یا جملے کے خندہ آور پہلوؤں کو دریافت کرنا، سمجھنا اور ان سے محظوظ ہونا۔(۱) جب کہ طنز سے مراد بدمزگی پیدا کیے بغیر کسی فرد، مکتبہ فکر یا بنی نوع انسان کی برائیوں اور کج ادائیوں کی مذمت کرنا ہے۔ طنز میں مزاح کی آمیزش ضروری ہے ورنہ طنز دشنام یا طعنہ زنی بن کر رہ جاتا ہے جب کہ مزاح کے ساتھ طنز کا شامل ہونا ضروری نہیں ہے۔ طنز و مزاح کوئی الگ صنف ادب نہیں بلکہ یہ ایک ادبی اسلوب اور رجحان ہے جو کم و بیش تمام اصناف ادب میں موجود ہے۔ اردو افسانے کا دامن بھی طنز و مزاح کی دولت سے مالا مال ہے۔ پاکستان بننے کے بعد خواتین افسانہ نگاروں کی ایک بڑی تعداد اس میدان میں اتری اور انہوں نے نہ صرف خالص مزاحیہ افسانے تحریر کیے جو تعداد اور معیار کے لحاظ سے قابل قدر ہیں بلکہ اِن کے سنجیدہ افسانوں میں بھی طنز و مزاح کے اعلیٰ نمونے مل جاتے ہیں۔ ان خواتین افسانہ نگاروں کے ہاں بعض چیزوں اور نظریات پر طنزیہ انداز اور زہر خند کی ایسی لہر ملتی ہے، جو بعض

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

کے ہاں بہت نمایاں اور بعض کے ہاں زیر سطح ہے۔ یہ لہر شاید جدید دور کے معاشرتی حالات کی دین ہے اقدار اور نظریات کے تصادم سے کئی ایسے پہلو ابھرتے ہیں جن پر طنز کیا جا سکتا ہے۔ مزاح کی نسبت طنز کرنا آسان ہے اس لیے خواتین افسانہ نگاروں کے ہاں طنز کے کئی انداز ملتے ہیں۔ خاص طور پر ترقی پسند خواتین افسانہ نگاروں کے افسانوں میں طنز کی تلخی زہرناکی کی حد تک بڑھی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ انھوں نے معاشرتی ناہمواریوں، سرمایہ دارانہ نظام، طبقاتی اونچ نیچ، جذباتی استحصال اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کو موضوع بنا کر طنز کے نشتروں سے معاشرتی ناسوروں کی جراحی کی کوشش کی ہے۔ اس وجہ سے ان کے طنز میں زہرناکی اور تندی محسوس ہوتی ہے۔

بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں برعظیم میں جو سیاسی، سماجی اور معاشی اتار چڑھاؤ اور تبدیلیاں ہوئیں وہ جنگ عظیم اوّل کے بعد خاص طور پر خواتین افسانہ نگاروں کا موضوع بنیں (۲)۔ ان سیاسی اور سماجی عوامل کو خواتین افسانہ نگاروں نے کس طرح مزاح کے پیرائے میں عمدہ انداز میں بیان کیا۔

رشید جہاں کا شمار ترقی پسند تحریک کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ طنز و تلخی اور طعن و تمسخر ان کے افسانوں کا خاصا ہے رشید جہاں کے افسانوں میں جھلاہٹ، تلخی اور بغاوت کا جذبہ بہت زیادہ ہے۔ ان کی تحریروں میں ہر قدیم چیز کو ٹھکرانے کا جذبہ شدت سے محسوس ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں جھوٹی مذہبیت، ریاکاری، تہذیب و شائستگی کے سوانگ، وطن پرستی کے ڈھونگ پر بھی طنز کے تیر برسائے ہیں ان کے افسانے سماج کی برائیوں سے واقفیت کا اہم ذریعہ ہیں۔ ڈاکٹر انوار احمد اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحبہ کے افسانوں میں بلند آہنگ انقلابی شعور یا سیاسی طنز، نہیں تو سماجی واقفیت نگاری کے ارفع نمونے ضرور ہوں گے"۔(۳)

رشید جہاں کے افسانوں کا مجموعہ "عورت اور دیگر افسانے" (1937ء) میں شائع ہوا۔ اس مجموعے کے تقریباً سبھی افسانوں میں عریانی اور تلخی کا احساس نمایاں ہے۔ جا بجا طنز ہے۔ معاشرتی عدم مساوات اور عورتوں کی مظلومیت کو خاص کر انہوں نے طنز کا نشانہ بنایا ہے بعض افسانوں میں وہ عورت کی مظلومیت پر چڑتی نظر آتی ہیں ان سے ہمدردی کی بجائے ان پر ہی طنز کے تیر برسانے لگتی ہیں۔ افسانے "غریبوں کا بھگوان" میں مذہب کے ٹھکیداروں پر انہوں نے خوب طنز کیا ہے۔ درگا جب مندر جاتی ہے تو لالہ جی کی بیوی سے اس کی جو گفتگو ہوتی ہے مصنفہ نے اُسے کچھ اس طرح سے طنزیہ انداز میں لکھا ہے:

"ہٹ یہاں سے تو یہاں کیسے آئی؟"
"اپنے بھگوان کے پاس آئی ہوں۔ کیوں ہٹوں"
"تیرا بھگوان کہاں سے آیا۔ بھیک منگنی کہیں کی"۔(۴)

یہاں مصنفہ نے امیر طبقہ کے مذہبی تصورات پر طنز کیا ہے۔ جس کے تحت وہ نچلے طبقے کے لوگوں کو عبادت کا اہل بھی نہیں سمجھتے۔ رشید جہاں کے تیسرے افسانوی مجموعے "شعلہ جوالہ" کے افسانوں میں کہیں کہیں طنز ہے، کہیں پر طنز براہ راست ہے اور اس میں شگفتگی مفقود ہے۔ بعض افسانوں میں ان لوگوں پر طنز ہے جو سیاسی اور سماجی ہنگامہ خیزی کے دور سے گزر رہے ہیں لیکن اِن کی عیاشی ختم نہیں ہوتی۔ "پُن"، " سڑک"، " میرا ایک سفر"، " مجرم کون"، " چھدا کی ماں"، " صفر" ان افسانوں میں رشید جہاں کا لب و لہجہ طنزیہ ہے مگر ایسا جو ان کے افسانوں میں رمز و ایماء کا حسن پیدا کرتا ہے۔ افسانہ " افطاری" میں روزے پر نہیں بلکہ اِن روزہ داروں پر طنز کی گئی ہے جو اسلام کے اس بنیادی فرض کی سماجی اہمیت و معنویت سے غافل ہیں۔ معاشرے کے مفلس اور بھوکے لوگوں کی تضحیک کرتے ہیں اور اپنی عبادت کو انسانی معاملات سے الگ تصور کرتے ہیں جس سے مصنفہ کا لہجہ طنزیہ انداز اختیار کر جاتا ہے:

"ان مسجدوں کے ملاؤں میں ایک قسم کی بازی لگی رہتی تھی کہ کون اِن جاہل غریبوں کو زیادہ الو بنائے اور کون ان کی گاڑھی کمائی میں سے ہضم کرے"۔(۵)

رشید جہاں نے افسانوں میں طنز کا بے محابہ اور بے رحم استعمال کیا ہے۔ کہیں یہ طنز تلخ اندیشی کے روپ میں ظاہر ہوتا ہے تو کہیں رمز (Irony) کے

Vol. 5No.4 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اعلیٰ نمونے ملتے ہیں اور کہیں یہ طنز استہزاء اور زہر خند کی سی کیفیت سامنے لاتا ہے۔

عصمت چغتائی کی تحریروں میں تلخ اندیشی کا عنصر غالب ہے وہ جن معاشرتی ناانصافیوں اور ناہمواریوں کو طنز کا نشانہ بناتی ہے ان میں طنز کا عنصر تلخ اندیشی کی وجہ سے بہت بڑھ جاتا ہے۔ عصمت چغتائی نے اپنے افسانوں میں جہاں کہیں طبقاتی تقسیم، غریبوں کے استحصال، بر سر اقتدار اصحاب کی بے حسی کا ذکر کیا ہے وہاں انہوں نے زندگی کی منفی قوتوں کو طنز کے پیرائے میں اور کسی حد تک مبالغہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔

عصمت نے اپنے کرداروں کی جھلاہٹ کے ذریعے اس کی نفسیاتی گرہیں کھولی ہیں اور بعض مقامات پر انہوں نے کرداروں کی جھلاہٹ سے ہی قارئین کے لیے ظرافت کا سامان پیدا کیا ہے۔ اس کی عمدہ مثال افسانہ "ڈائن" ہے جہاں افسانے کا مرکزی کردار اپنی ساس کی مداخلت سے جھنجھلا کر کہتا ہے:

> "اب اندھیر ہے کہ نہیں۔ فرمائش بھی بجائے بیوی کے ساس صاحبہ کی معرفت آنے لگیں۔ اگر ایسا ہی تھا تو اے خدا بیوی دی ہی کیوں تھی۔ ساس ہی کافی تھی وہ سوچتا رہ گیا"۔(۶)

" بچپن "، "اف یہ بچے" خالص مزاح کے عمدہ نمونے ہیں۔ عصمت کی مزاح نگاری میں ابتذال یا پھکڑ پن کا احساس نہیں ہوتا۔ بقول وارث علوی:

> "بچپن تو اعلیٰ ترین مزاح کا ایسا شاہکار ہے جو رشید احمد صدیقی، پطرس اور مشتاق احمد یوسفی کے لیے بھی باعث رشک بن سکتا ہے"۔(۷)

"نیرا اور کافر"، "گیندا"، " چوٹیں"، "ساس"، " سفر میں" طنز کا زہر کروٹیں لیتا محسوس ہوتا ہے۔ افسانہ "گیندا" کے ہر فقرے رگوں میں طنز کا زہر اس طرح سے پھیلا ہوا ہے کہ قاری کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ طنز کے تیروں پر برہنہ چل رہا ہے۔ افسانہ "چوٹیں" میں متوسط طبقے کی بے چارگی اور بے بسی کو زہر خند لہجے میں بیان کیا ہے۔ عصمت نے اِن افسانوں میں عورت کا جذباتی استحصال کرنے والے رسم ورواج اور روایات پر طنز کے تیر برسائے ہیں اور ایک خود غرض مرد کی مکروہ سوچ کے ذریعے تمام مردوں کی پست ذہنیت کی دھجیاں بکھیری ہیں۔

افسانہ "ننھی سی جان"، " نفرت"، " یکہ"، " باورچی"، "ایک شوہر کی خاطر" واقعاتی اور خالص مزاح کا عمدہ نمونہ ہیں۔ "لال چیونٹے" میں طنز کا نشتر مزاح میں پوشیدہ رکھ کر چلایا ہے۔ سماجی نظام کی کج رویوں، طبقاتی کشمکش اور مسائل کو ہنس کر سمجھنے اور بیان کرنے کا جو حوصلہ عصمت کے ہاں نظر آتا ہے وہ باقی خواتین افسانہ نگاروں کے ہاں کم ملتا ہے۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں زندگی کی تلخیوں، کثافتوں کو جذب کر کے شگفتہ کھکھلاتے اور کاٹ دار طنزیہ جملوں میں سمیٹ دیا ہے۔ بقول سید محمد عقیل :

> "نشتر ہیں گدگدی ہیں، ہیجان ہیں اور منہ پر تھپڑ بھی"۔(۸)

عصمت چغتائی کے افسانوں میں مزاح واضح طور پر موجود ہے مزاح ان کے اسلوب کا حصہ ہے اگرچہ ان کے افسانوں کے مرکزی خیال طنزیہ ہیں مگر وہ زبان کے مخصوص استعمال سے مزاح کی کیفیت پیدا کر لیتی ہے ں۔ بعض اوقات ان کا مزاح استہزاء کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے وہ قاری کو معاشرے اور انسان کے باطن کا گھناؤنا چہرہ دکھا کر طنزاً قہقہے لگاتی ہے اور یہی استہزائیہ انداز ان کے افسانوں کا خاصا ہے۔

ہاجرہ مسرور کے چھ افسانوی مجموعے "سب افسانے میرے" کے نام سے کلیات کی صورت میں شائع ہوئے ہیں۔ ان کے اکثر افسانوں میں طنزیہ و مزاحیہ لب و لہجہ موجود ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ پر لطف اور ہلکا پھلکا دلچسپ انداز بیان ان کی مقبولیت کی وجہ ہے تو بے جانہ ہوگا۔ ان کے اسلوب میں طنز و مزاح دونوں ہی موجود رہتے ہیں اور اکثر مقامات پر استہزاء طعن و تلخی کی صورت بھی اختیار کر لیتے ہیں "موج اور تہہ"، "مول تول"، "کنیز"، "بھالو"، " صندوقچہ" میں انہوں نے معاشرتی برائیوں بالخصوص طبقاتی اونچ نیچ اور سرمایہ دارانہ نظام پر طنز کیا ہے۔ معاشی عدم مساوات کے شکار محروم طبقوں کی نمائندگی بڑے کسیلے اور کڑوے انداز میں کی ہے۔ ان کی قابل رحم حالت دیکھ کر ان کا قلم طنز کے تیر برسانے لگتا ہے۔ "بھاگ بھری"، "پرانا مسیح"، "عذاب"، " ایک بچی"، " آپ ہی کی دنیا کا ذکر ہے کہ"، " کاروبار"، "بڑے انسان بنے بیٹھے ہو"، "کتے"، " راکھ"، " کوٹھی اور کوٹھڑی" میں انہوں نے براہ راست طنز کیا ہے ان

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

کے زیادہ تر کردار غریب، فاقہ مست، بے روزگار، سفید پوش اور ظلم کی چکی میں لپٹے ہوئے لوگ ہیں۔ ان مظلوموں کی عکاسی کرتے ہوئے وہ اکثر اوقات جذباتی ہو جاتی ہےں اور تلخی ان پر چھا جاتی ہی۔

ہاجرہ مسرور نے اپنے افسانوں میں سماجی برائیوں اور ناہمواریوں کی بڑے دلچسپ طنزیہ انداز میں عکاسی کی ہے اور سماجی مسائل پر ان کے ہاں کہیں کہیں مضحکہ خیزی کا عنصر بھی ملتا ہے۔ "سند باد جہازی کا نیا سفر" تمثیلی اور اساطیری انداز میں لکھا گیا افسانہ ہے جس میں انہوں نے دنیا کے مختلف نظاموں مثلاً شہنشاہیت، سرمایہ دارانہ نظام اور جاگیرداری پر طنز کیا ہے۔ مصنفہ رمزیہ انداز میں طنز کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> "دیکھو بھئی سند باد میرا نام ہے سرمایہ داری تم نے شہنشاہیت کا نام تو سنا ہی ہو گا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ میں انہی کی ناجائز اولاد ہوں بعض کہتے ہیں کہ ان کی گود لی ہوئی ہوں بہر حال جو کچھ بھی ہوں شہنشاہیت کے لیے اب دل کھنچتا ہے تو کہتی ہوں ہو نہ ہو انہی کا خون ہوں پہلے تو میں سچ مچ بڑی گستاخ تھی مگر اب وہ بات نہیں میری ایک بڑی بہن بھی ہے اس کا نام جاگیرداری کسی زمانے میں بڑی چٹکو مٹکو تھی ایک وقت تھا کہ ساری دنیامیں چوکڑی بھرتی پھرتی تھی۔ میرے جسم میں نیا نیا خون جوش مار رہا تھا اس لیے جاگیرداری سے میری شروع سے ہی نہ بنی"۔(۹)

ہاجرہ مسرور نے اپنے افسانوں میں نہ صرف نام نہاد شرفاء کی زندگی کے مکروہ پہلوؤں کو بے نقاب کیا ہے بلکہ اپنے افسانوں میں بعض پیشہ وروں پر بھی طنز کیا ہے۔ وکیلوں کی سرمایہ داروں کی چالاکیوں کے ہتھکنڈوں اور سیاست میں جانے کے مقاصد کو "پرانا مسیح"، "کتے" اور "بڑے انسان بنے بیٹھے ہو" میں طنزیہ انداز میں بیان کیا ہے۔ مصنفہ نے "بندر کا گھاؤ" میں معاشرتی رسم و رواج، سماجی، معاشی اور اخلاقی زوال کی صورت دکھائی ہے اور اس پر طنز کیا ہے۔ افسانے میں جابجا مصنفہ نے اپنے تبصرے اور گفتگو سے مزاح اور طنز پیدا کیا ہے۔ ہاجرہ مسرور کے ابتدائی افسانوں میں جو شگفتگی نظر آتی ہے وہ بتدریج کم ہوتی گئی اور اس کی جگہ طنز و مزاح نے لے لی۔ ان کے افسانوں میں کہیں کہیں کوئی لفظ کوئی ترکیب یا کوئی تبصرہ اچانک سے چمک کر مصنفہ کے طنزیہ لب ولہجہ کو نمایاں کر دیتا ہے۔

ہاجرہ مسرور کے بعض افسانوں میں ان کا طنزیہ انداز قابل توجہ ہے ان کی تلخی اور طنز دراصل ان کی دردمندی کا نتیجہ ہے اور یہ دردمندی وہ دوسروں میں بھی پیدا کرنا چاہتی ہےں۔ اس لیے کبھی کبھی بے دردی اور تلخی سے کام لیتی ہے۔ وہ بنیادی طور پر انسانی کمزوریوں سے واقف ہیں اور انہیں آڑ بنا کر ایسی چٹکیاں لیتی ہیں کہ قاری بے چین ہوتا نظر آتا ہے۔

خدیجہ مستور نے اپنے افسانوں میں عورت کے دکھوں اور محرومیوں کو کہیں جذباتی اور کہیں طنزیہ انداز میں بیان کیا ہے۔ خدیجہ مستور کے تمام افسانوں میں طنز نہیں ہے بعض افسانوں کا موضوع طنزیہ ہے اور بعض کا انداز بیان۔ افسانوں میں جہاں کہیں انہوں نے گفتگو اور تبصرہ کیا ہے وہاں کٹیلا طنز افسانے میں راہ پا گیا ہے ان کے افسانے "چیلیں" میں ہلکا سا مزاح بھی ملتا ہے:

> "وہ مولوی جی ہیں اس گاؤں کے، دیکھیے ہنسے مت اِن بے چارے کی غیر معمولی داڑھی پر ورنہ کہیں انہیں معلوم ہو گیا کہ آپ ہنس رہے ہیں تو وہ فوراً اللہ میاں کے ہاں آپ کے لیے ایک اسپیشل دوزخ تعمیر ہونے کا مژدہ سنا دیں گے"۔(۱۰)

مصنفہ کے بعض طنزیہ جملے بے حد تلخی اور تیزی لیے ہوئے ہیں کہیں کہیں رمز (Irony) سے بھی کام لیتی ہیں اور استہزاء سے بھی۔ افسانہ "سودا" اور "سہرا" خدیجہ سماجی طنز کے مظہر افسانے ہیں۔ "سودا" میں انہوں نے پاکستان کے اصل حکمران یعنی بیوروکریٹ کے رہن سہن کا رنگ طنزیہ انداز میں بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ ان کے گھریلو ملازموں کی فوج رعایا سے اپنی تنخواہ خود ہی حاصل کر لیتی ہے اور جو اس نکتہ سے واقف نہ ہو وہ بیگم صاحبہ سے تنخواہ مانگ لے تو

Vol. 5No.4 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اس جرم میں اسے فوراً نکال باہر کیا جاتا ہے۔ "سہرا" میں اس قومی رجحان کا تلخ بیان ہے جو پاکستان کو اپنے ہنر مند بیٹوں سے محروم کیے جا رہا ہے:

"یہاں درختوں کو پالو پوسو اور جب وہ پھل دیں تو دوسرے ملکوں میں کھانے کو بھیج دو"۔(۱۱)

افسانہ "عشق"، "ہنھ"، "یہ ہم ہیں"، "بھروسا"، "نیا سفر"، "چلی پی سے ملن"، "ایک خط"، "تین عورتیں"، "ٹامک ٹوئیاں" ایسے افسانے ہیں جن میں مقصدیت سماجی برائیوں کی عکاسی، حقیقت نگاری اور گہرا طنز موجود ہے۔ خدیجہ مستور کا سماجی شعور اور سماج کا پر خلوص تجزیہ انہیں برائی کی جڑ تک لے جاتا ہے اور وہ ان ناسوروں کو چھیڑنے لگتی ہیں جس کی وجہ سے ان کے کئی افسانے درد و غم کی تصویریں بن گئے ہیں خاص طور پر انہوں نے ہندو معاشرے کی برائیوں کی بڑی المناک تصویریں کھینچی ہیں۔ سماج کی عکاسی اور حقیقت نگاری میں اگرچہ مزاح کو زیادہ نہیں برتا جاتا مگر خدیجہ مستور نے جہاں کہیں طنز کے ہتھیار سے کام لیا ہے اسے سماجی برائیوں کے خلاف بڑی عمدگی سے برتا ہے۔ ان کے بعض افسانے مزاح کا بھی عمدہ نمونہ پیش کرتے ہیں۔

اختر جمال ترقی پسند افسانہ نگار ہیں ان کے ہاں مزاح بالکل نہیں ہے، تاہم طنز واضح طور پر موجود ہے۔ طنز ان کے اسلوب کا حصہ ہے اور ان کی اکثر و بیشتر تحریروں میں موجود ہے۔ ان کے افسانے ایک مخصوص طرز معاشرت کی خامیوں پر طنز ہیں۔ ان خامیوں میں جنسی استحصال، ناروا پابندیاں، سماجی تقسیم، عدم مساوات، معاشرتی رسم و رواج، خاص طور پر انہیں کھٹکتی ہیں اور وہ اِن پر خوب طنز کرتی ہیں۔ "وراثت"، "محبت و نفرت"، "ڈولی"، "کاہے"، "بیاہی بدیس"، "گڑیوں کی نمائش"، "سمجھوتہ ایکسپریس"، "خالہ"، "خدائی دور کی محبت"، "مرغابی، بطخ اور عورت"، "حوا بیسویں صدی میں"، "اُم سلطان"، "امریکہ والی خالہ" جیسے افسانوں میں اختر جمال نے عورتوں کی مظلومیت اور ان کے جنسی استحصال کی تصویریں کھینچی ہیں۔ جاگیر دارانہ نظام اور ماحول کی خرابیوں پر طنز کیا ہے۔ افسانہ "مہمان خصوصی" اور "ہر روز کی کہانی" میں پاکستان کے مقتدر طبقات کی سماجی و ثقافتی ترجیحات پر دلچسپ انداز میں طنز کی گئی ہے۔ جب کہ افسانہ "نیا کپڑا" میں ایوب خان کے ذرائع ابلاغ کے مبالغے سے بھرپور مہم اور دیگر آمرانہ وسائل کے استعمال پر طنز کی گئی ہے۔ اختر جمال نے برصغیر کے معاشی اور سماجی حالات کی بڑی تاریک تصویریں پیش کی ہیں اور ان تاریک تصاویر کو ان کی بے رحم طنزیہ ہنسی نے اور بھی بھیانک رنگ دے دیا ہے۔ ان کے افسانے صرف حقیقت نگاری اور طنز کی وجہ سے قابل قدر ہیں۔ ان کی حقیقت نگاری اور انسانیت کے لیے درد اور غریبوں کی مصیبتوں کا شدت سے احساس ہی ہے جو بے بسی کی صورت میں ڈھل کر طنز بن گیا ہے۔

الطاف فاطمہ نے اپنے افسانوں میں معاشرتی اعتقادات اور اقدار پر جارحانہ انداز میں طنز کیا ہے لیکن ان کا مذاق نہیں اڑایا۔ وہ طنز کی حدوں کو چھوتی ہوئی گزرتی ہے بظاہر ہمدردی مگر بباطن طنز وہ مختلف لوگوں کے رویوں پر افسانوں میں خوب طنز کرتی ہے حتیٰ کہ بعض ادیبوں کو بھی انہوں نے اس زمرے سے بچ کر جانے نہیں دیا۔ ادیبوں پر ان کے ہاں خوب طنز ملتا ہے۔ ان کے نزدیک ادیب معاشرے کا حساس ترین طبقہ ہوتے ہیں اس لیے ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرے کی تربیت کریں اس لیے ان کے ہاں ادیبوں کا محاسبہ نظر آتا ہے۔ "دکھوں کا بیوپاری"، "چھوٹا مولوی"، "گواہی"، "تار عنکبوت"، "زندہ حقیقت"، "بے قامت لوگ"، "ننگی مرغیاں"، "آپریٹر نمبر تین"، "چرواہا"، "خستہ خانم"، "گواہی"، "مشت غبار"، "صحاب تحیر"، "کوک کی ایک بوتل" میں صنفی معاشرے کی پیدا کردہ خود غرضی، اکتاہٹ، دم توڑتی مذہبی روایات، سماجی عدم استحکام، منافقت اور حکمرانوں کی بد عملیوں کو اپنی مخصوص کٹیلی اور طنزیہ زبان میں بیان کیا ہے۔ ان افسانوں میں انہوں نے جگہ جگہ تمثیلی اور علامتی انداز میں سرمایہ دارانہ نظام اور سرمایہ داروں پر طنز کیا ہے اور کئی علامات کا استعمال بھی کیا ہے۔

الطاف فاطمہ نے اپنی تحریروں میں طوائف کے گاہکوں، عام مردوں، مذہبی لوگوں پر بھی طنز کے تیر برسائے ہیں۔ علماء پر کڑی نکتہ چینی اور شدید طنز کیا ہے جہاں ان کا لب و لہجہ تلخ اور استہزائیہ نظر آتا ہے ملاؤں کی ریاکاری اور نام نہاد مذہبی لوگوں کی منافقت پر ان کے ہاں کڑوا کسیلا طنز پایا جاتا ہے۔ افسانہ "گواہی" میں طنز و مزاح کا ملا جلا انداز نظر آتا ہے۔

"متعد لوگ اس حال میں کھڑے تھے کہ اوپر سے قمیض بدل چکے ہیں اور ٹانگوں میں پاجامہ میلا ہے کسی کا

Vol. 5No.4 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

دھڑ رمضان منا رہاہے تو ٹانگیں عید ، ایک صاحب کے سر پر فقط ٹوپی ہی تھی باقی جسم پر میلے کپڑے تھے"۔(۱۲)

فرخندہ لودھی کے افسانوں کا بڑا موضوع عورت اور اس کے مسائل ہیں انہوں نے سماج میں عورت کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں، قدم روایات، اخلاقی اقدار، مذہبی نظریات، سماجی ڈھانچے، جاگیر دارانہ نظام، سرمایہ دارانہ معیشت، مخصوص سیاست اور طبقاتی اونچ نیچ کو طنز و تعریض کا نشانہ بنایا ہے۔

فرخندہ لودھی کے ہاں مزاح کم اور طنز نسبتاً زیادہ ہے۔ طنز میں توانائی بھی زیادہ ہے۔ افسانہ "شرابی"، " پاربتی"، "معجزہ"، " شہر کے لوگ" میں پھبتی اور طنز کا نہایت خوب صورت اور ماہرانہ استعمال ملتا ہے۔ "آرسی"، "بڑے بھیا"، "دی اونلی پروفیشن"، " آخری موم بتی"، " بوٹیاں"،"بے گھر"، " واپسی" میں مشرقی تہذیب و تمدن، سیاسی حالات، عورت کے سماجی استحصال پر طنزیہ انداز میں تبصرہ ملتا ہے۔

فرخندہ لودھی کے طنز کا بڑا حصہ رعایت لفظی سے عبارت ہے۔ فرخندہ یہ کام اتنی فنکارانہ چابک دستی سے کرتی ہیں اور لفظی الٹ پھیر کی مدد سے کی جانے والی پھبتی ایسی ٹھیک بیٹھتی ہے کہ اس میں گہرے طنز کا احساس اور لطف پیدا ہو جاتا ہے۔ فرخندہ کے ہاں مزاح لفظی الٹ پھیر سے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر اس میں وہ زیادہ کامیاب نظر نہیں آتیں۔ سیاسی و سماجی حالات اور انداز حکومت پر ان کے ہاں لطیف طنز ملتا ہے:

"بس ہم تو کہتے ہیں کہ شخصی حکومت ہونی چاہیے جہاں جہاں دنیا میں شخصی حکومت ہے سکھ ہے چین ہے کم از کم ایک شخص لوٹ مار کرتا ہے"۔(۱۳)

واجدہ تبسم نے اپنے افسانوں میں ان بندشوں اور رسموں کے خلاف غم و غصہ اور تلخی کا اظہار کیا ہے جنہوں نے عورت کو معاشرے کی کم تر مخلوق کا درجہ دیا ہے۔ ان کے افسانوں "توبہ توبہ"، " محبت"، "نتھ کا بوجھ" اُترن"، "لڑکی بازار"، " پانچواں مینار"، "ناگن"، " بھوک"، " سستا گوشت"، " ہنسی کہاں کھو دی"، " نصیبے والی"، " طلاخ! طلاخ! طلاخ"، "ٹھکانہ"، "زہر"، "چکور"، " تحفہ" میں طنز بہت زیادہ ہے۔ اکثر مقامات پر یہ طنز بہت زہریلا ہے۔ بعض افسانوں مثلاً "طلاخ! طلاخ! طلاخ" میں مرد کی فطرت پر براہ راست طنز ملتا ہے۔ مصنفہ کے طنز میں بڑے بے ساختگی اور روانی ہے۔ مگر کہیں کہیں ناپختگی اور کچرے پن کا احساس بھی ہوتا ہے۔ واجد تبسم کے ہاں مزاح بالکل نہیں ہے۔ طنز پیدا کرنے کے لیے انہوں نے لفظی الٹ پھیر اور بذلہ سنجی سے کام لیا ہے۔ ان کے ہاں طنز براہ راست اور تلخ ہے مگر انہوں نے کہیں کہیں رمز کا استعمال کر کے اسے پر لطف بنانے کی کامیاب کوشش بھی کی ہے۔ ان کے بعض افسانوں میں لگے بندھے تہذیبی و سماجی نظریات، مذہبی اعتقادات پر شگفتہ انداز میں طنز ملتا ہے۔ بعض افسانوں میں علامتی انداز سے امریکہ کی عالمی پالیسیوں اور غریب ممالک کو امداد دے کر اپنا مطیع بنانے پر خاص طور پر طنز ملتا ہے۔ امریکہ کے اس رویے پر شدید طنز کیا ہے جس کے تحت اسے اپنے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ واجد تبسم متوسط طبقے کی لڑکیوں کے جنسی مسائل اور گھریلو ماحول پر گہری نظر رکھتی ہیں۔ اس پر طنز کرنے اور اس کا خاکہ اڑانے میں پوری طرح کامیاب بھی ہوئی ہیں۔ واجد تبسم ایک ایسی افسانہ نگار ہیں جن کا طنز تلخ ہونے کے ساتھ ساتھ پر لطف بھی ہے۔

خالدہ حسین نے اپنے افسانوں میں طنز سے مفید کام لینے کی کوشش کرتے ہوئے اصلاحی پہلو کو مد نظر رکھا ہے۔ خالدہ حسین اعلیٰ انسانی اقدار، شرافت، تہذیب، اخلاق اور انسانیت پر پختہ یقین رکھتی ہیں۔ اس لیے انہوں نے اپنی تحریروں میں طنز بھی انہی خیالات، رجحانات، حرکات اور ہر اس چیز پر کیا ہے جو فرد کی آزادی، سکون، آسودگی اور اعلیٰ اقدار کو تباہ کرتی ہے۔ معاشرے، تہذیب اور تمدن میں انھیں جو خامیاں نظر آئی ہیں ان پر اپنے افسانوں میں خوب طنز کیا ہے۔ اپنی کہانیوں میں انہوں نے مزاروں، مزار پرستوں اور مزاروں کے مجاوروں کی مکاریوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے گہرے طنز اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ افسانہ "آدھی رات" میں انہوں نے انسان کے کھوکھلے پن، بے منزل سفر کرنے اور بھٹکتے رہنے کو علامتی انداز میں طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ "الاؤ" میں کم عمر میں شادی کی قبیح رسم، "ڈیڈلیٹر" میں شہر کی مصروف اور منافقانہ زندگی، "دروزہ" میں بے عمل دانشوروں، "سرنگ" میں سپر پاور اور بڑی طاقتوں کے استحصالی نظام، "زوال پسند عورت"، "والعصر" میں اجتماعی قومی بے حسی کو جو خواب غفلت کا شکار ہے کو طنز و تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ "مایا" میں لکھتی ہیں:

Vol. 5No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

"ہر طرف مصنوعی فارغ البالی، دولت کی چکاچوند نے حواس پریشان کر رکھے ہیں۔ ہر شخص اپنے ہوائی قلعے میں محصور ہے۔ کون کہتا ہے یہ ملک مقروض ہے۔ غریب ہے۔ لاہور کی سڑکوں پر لمبی لمبی لش لش کرتی کاروں کا تانتا نہیں ٹوٹتا۔ عظیم الشان بنگلے دیکھتے دیکھتے انسان کی گردن اکڑ جاتی ہے۔۔۔ لوگ سالم بکرے ضرور فریز کرتے ہیں اور چرغے اور رانیں مسلم کھاتے ہیں کیا مہمان نوازی ہوتی ہے تمہارے ہاں"۔(۱۴)

خالدہ حسین نے ہلکے پھلکے نیم طنزیہ انداز میں زندگی کی ناپسندیدہ یا تکلیف دہ باتوں کے بھی لطیف پہلو دریافت کر کے انہیں گوارہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ خالدہ حسین نے طنز پیدا کرنے کے لیے جملے میں الفاظ کی جگہ کی تبدیلی الٹ پھیر سے کام لیا ہے۔ ان کے ہاں بھرپور طنز ملتا ہے۔ طنز میں کہیں کہیں شدت او ر تلخی بھی ہے البتہ افسانہ "زوال پسند عورت" میں تلخی کے ساتھ ساتھ دردمندی کا احساس بھی موجود ہے۔ جہاں کہیں انہوں نے اپنے افسانوں میں واقعات اور کرداروں کی حرکات سے مزاح پیدا کیا ہے وہاں ایک خاص ضبط اور متانت کو بھی مدنظر رکھا ہے۔ اکثر مقامات پر لطائف وظرافت دلچسپ واقعات بیانیہ انداز میں مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن کامیاب مزاح تخلیق نہیں کر سکیں۔ مجموعی طور پر ان کے ہاں طنز زیادہ اور مزاح کم ہے۔

نیلم احمد بشیر نے جن مسائل کو اپنے افسانوں میں طنزیہ لب و لہجے میں پیش کیا ہے ان میں گھریلو مسائل، ازدواجی زندگی، میاں بیوی کے جھگڑے اور عورتوں کی خامیاں سر فہرست ہیں۔ نیلم کے ہاں لفظی مزاح بالکل نہیں ہے البتہ کہیں کہیں چٹکلے اور جملے بازی ملتی ہے جہاں کہیں طنز ہے وہاں اعتدال اور روانی کے ساتھ ہے اِن کے ہاں طنز کم ہے لیکن شگفتہ انداز لیے ہوئے ہے۔ افسانہ "اجازت" میں اسلامی تہذیبی روایا،ت دولت کی بنا پر رشتوں میں کھڑی ہونے والی اجنبیت کی دیواروں "اکیلی" میں مغرب کی مادر پدر آزادی، "گلابوں والی گلی" میں مغربی تہذیب کی آمد سے مشرق کی مٹتی روایات اور "کاغذ کے پرزے" میں سیاسی پارٹیوں کے الیکشن کی تیاریوں، "تھوڑی کھلی بند آنکھیں"، "صدقہ"، "غم ہستی"، "حوازادی"، "چھری" میں شادی شدہ مردوں کی اخلاقی گراوٹ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ بادشاہوں اور امراء پر جابجا طنز بھی ان کے ہاں ملتا ہے۔ ان کے ہاں طنز کم ہے مگر اس کے باوجود انہوں نے شگفتگی کے ساتھ طنز کے حربے کو کامیابی سے استعمال کیا ہے۔ نیلم احمد بشیر نے جنسی بے راہ روی اور کھوکھلی اقدار کا جذباتی انداز میں زہر خند اور نشتر کی طرح چبھنے والے طنز کی صورت میں اظہار کیا ہے۔ انہوں نے متنوع موضوعات پر لکھا ہے اور انسان کے اندر کی قباحتوں کا پردہ چاک کر کے اسے بہتری کی طرف مائل کیا ہے۔ ان کے افسانوں میں طنز تلخ اور براہ راست ہو گیا ہے۔

قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں تنگ نظری، ریاکاری اور ارباب اقتدار کی سامراج پسندی نے طنز و تلخی کو جنم دیا۔ قرۃ العین حیدر نے انتہائی کٹیلے طنزیہ اسلوب میں دو افسانے " داغ داغ اجالا" ، "کیکٹس لینڈ" تخلیق کیے ہیں۔ "داغ داغ اجالا" کا آغاز ریاکاروں سے ہوتا ہے اور انجام مولوی صاحبان کے فتوؤں پر جن پر طنزیہ انداز میں مصنفہ نے لکھا ہے۔

"دو لڑکیاں فارن سروس میں لے لی گئیں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ شریعت کی رو سے مومنہ کا فارن سروس میں داخل ہونا ناجائز ہے"۔(۱۵)

"کیکٹس لینڈ" میں مولوی صاحبان کے تصورات کو بیان کرتے لکھتی ہیں:

"ہم سب نمازی ہیں ہم نے اپنے سارے دنیاوی کاروبار کا امریکیوں کو کنٹریکٹ دے دیا ہے جو اس سامنے والی سول لائنز میں رہتے ہیں ہم نے اپنی حکومت انہیں دے دی ہے اب ہم اطمینان سے اور فرصت سے بیٹھے ہیں اور امریکن ہماری طرف سے حکومت کا انتظام کرتے ہیں اور ہم نمازیوں کو فرصت مل گئی ہے تا کہ اور نمازی پیدا کر سکیں"۔(۱۶)

قیام پاکستان کے بعد قرۃ العین حیدر نے جتنے افسانے لکھے ہیں ان میں پاکستانی حکمرانوں مقتدر طبقوں کی کم نظری اور ریاکاری پر چوٹیں کی ہیں ان

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

ملکوں کے مفادات اور کاوشوں پر طنز کیا ہے جو آزادی کے بعد برصغیر کے دونوں ملکوں کو حالت جنگ میں رکھنا چاہتے ہیں۔ قرۃ العین نے افسانوں میں طنز پیدا کرنے کے لیے لفظی مناسبتوں، تلازمات، لفظی الٹ پھیر، موازنہ، مبالغہ اور مضحک تشبیہات کے ہتھیار استعمال نہیں کیے جہاں کہیں ان کے ہاں طنز ملتا ہے وہ بالعموم اعتدال کی حدود میں رہتا ہے۔ قرۃ العین حیدر کے طنز سے لطف اندوز ہونے کے لیے اس دور کے سیاسی حالات، سیاسی تحریکات، تنظیموں اور شخصیات سے آگاہی بہت ضروری ہے۔ ورنہ آپ ان کے طنز کو نہیں سمجھ سکتے۔ قرۃ العین بنیادی طور پر نہ تو مزاح نگار ہیں نہ طنز نگار مگر کہیں کہیں ان افسانوں میں طنز ملتا بھی ہے تو انتہائی شگفتہ انداز لیے ہوئے ہیں طنز ان کے افسانوں کی نمایاں خوبی نہیں ہے۔

بانو قدسیہ نے طنز و مزاح نگار نہ ہونے کے باوجود اپنے افسانوں میں طنز کے حربوں کو بخوبی استعمال کیا ہے۔ ان کے افسانوں میں ہلکا پھلکا شگفتہ مزاح ہے لیکن یہ مزاح طنز کی بدولت پیدا ہوا ہے۔ بانو قدسیہ چوں کہ رومانیت، لطیف جذبات، فطرت سے قربت، حسن پرستی اور محبتوں کے احساس کی مالک افسانہ نگار ہیں اس لیے ان کے ہاں طنز میں تلخی اور تیکھے الفاظ کا استعمال نہیں ملتا۔ دیگر افسانہ نگاروں کی طرح بانو قدسیہ کے ہاں انگریزی تہذیب کے خلاف احتجاج اور معاشرت پر طنز کا عنصر ملتا ہے انہوں نے انگریزی تہذیب کی اندھی تقلید کرنے والوں پر طنز کے کاری وار کیے ہیں۔ انہوں نے مغربی تہذیب کے ہندوستانی پیروکاروں کو تضحیک کا نشانہ بنایا ہے ان کے کردار بعض اوقات ایسے افعال اور حرکات کرتے نظر آتے ہیں کہ قاری بھی مصنف کے ساتھ ساتھ استہزائیہ ہنسی میں شامل ہو جاتا ہے۔ ہنسی میں بنیادی طور پر معاشرے کی اقدار سے بھٹکے ہوئے انسانوں کو اقدار و روایات کی طرف واپس لانے کا مقصد پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس لیے طنز میں شگفتگی کا عنصر غالب رہتا ہے۔

بانو قدسیہ سیاسی موضوعات سے دور ہی نظر آتی ہیں مگر افسانہ "روس سے معذرت کے ساتھ" میں انہوں نے استحصالی نظام اور قوتوں کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔

> "میرا مفروضہ یہ ہے کہ جب دولت، مواقع، طاقت کچھ ملکوں کی جاگیر بن جاتی ہے تو تمام چھوٹے چھوٹے ملکوں کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے پھر جس طرح غریب آدمی پستا ہے ایسے ہی غریب ملک کا استحصال ہوتا ہے وہ اپنے فیصلے خود نہیں کر سکتا چھوٹے ملک میں اپنی زبان بے وقعت ہو جاتی ہے ان کا کلچر مذہب سب بے کار ہو جاتا ہے"۔(۱۷)

بانو قدسیہ کے افسانوں "دورنگی"، "پابند"، "حجاب"، "گجھی مار"، "بڑا بول"، "رنگروٹ"، "ذات کا محاسبہ"، "خود شناس"، "چھمو"، "ابن آدم"، "نیو ورلڈ آرڈر"، "موسم سرما میں نیلی چڑیا کی موت"، "تدبیر لطیف"، "ٹھنڈا عذاب"، "مجرا"، "شکرانہ"، "مفتی جی خیمہ ساز" میں معاشرتی، معاشی، اخلاقی، مذہبی اور سماجی اقدار کے خلاف تلخ احتجاج جھنجھلاہٹ کے آثار نمایاں ہیں۔ ان افسانوں میں کہیں کہیں استہزاء کا عنصر بھی غالب نظر آتا ہے۔

رضیہ فصیح احمد کے افسانوں میں شگفتگی کم اور طنز زیادہ ہے۔ خاص طور پر افسانہ "بھرم"، "تیرھواں آدمی"، "انکشاف"، "دُم"، "عجیب و غریب چشمہ"، "بارش کا آخری قطرہ"، "لعنت"، "بے سمت مسافر" کے عنوان سے جو افسانے شامل ہیں ان میں طنز کے نشتر کی انی کچھ زیادہ ہی چبھتی محسوس ہوتی ہے۔ رضیہ نے نہ صرف قوم کے اجتماعی ناسوروں کو بیان کیا ہے بلکہ ان پر نشتر طنز کے کچوکے بھی لگائے ہیں۔ مارشل لائ، جمہوریت آئین، بیوروکریسی جیسے نازک موضوعات پر بھی انہوں نے افسانے تخلیق کیے ہیں یہ تمام موضوعات مزاح کی شگفتگی کی جگہ طنز کی تلخی سمیٹے ہوئے ہیں۔ رضیہ کے ہاں مزاح بہت دھیما ہے اور طنز زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مزاحیہ خاکے اور مضامین بھی لکھ چکی ہیں۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ رضیہ کے زیادہ تر افسانوں میں طنزیہ لب و لہجہ ملتا ہے اور مزاح کہیں کہیں بکھرا ہوا نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر فردوس انور قاضی کا طنز بڑی حد تک زہرناک ہے جس کے ثبوت میں ان کے افسانے "تاویج"، "آخری رات"، "رنگین دنیا"، "تعبیر" اور "خوف ناک جرم" پیش کیے جاسکتے ہیں۔ اگرچہ کچھ افسانوں میںان کے ہاں طنز کی چبھن کم نظر آئی ہے ان میں ہلکی سی شگفتگی اور کسی حد تک استہزائیہ انداز جگہ پا

Vol. 5No.4 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

گیا ہے کہیں ان کے طنز کا براہ راست انداز برقرار رہا وہ لفظی مزاح یا صورت حال سے مزاح پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتیں ان کے ہاں طنز اور ہلکی سی شگفتگی دونوں بیانیہ انداز میں موجود ہیں۔

پروین عاطف کے افسانے "ٹافیاں"، "میں میلی پیا اجلے"، "جاگ رتی"، "گمشدہ شہر کا نوحہ"۔زاہدہ حنا "کُم کُم بہت آرام سے ہے"، "نیند کا زرد لباس"، "زمین آگ کی، آسمان آگ کا"، "رقص مقابر"۔ نجمہ سہیل "شہزادہ"، "غریب الوطن" اور عطیہ سید کے افسانے "شہر ہول"، "پری ذات"، "عشق تمام"، "آخری کہانی"، "کریک اور چینی کمرہ" عمدہ طنزیہ تحریریں ہیں،ان کے ہاں طنز کا نتیجہ اداسی کی صورت میں نکلتا ہے۔ یہ افسانہ نگار عوام کی حالت، ان کے دکھ اور مسائل، طبقاتی اونچ نیچ، سیاست دانوں، وزیروں کی خود غرضی، عوام کی سادگی، اسمگلروں اور رشوت خوروں کی کارستانیوں پر غصے میں آکر قہقہے نہیں لگاتیں بلکہ معاشرے کی کجی ان کے ہونٹوں پر زہر خند مسکراہٹ بکھیر دیتی ہے اور قاری بھی معاشرے کی خامیوں اور طبقاتی اونچ نیچ کا احساس کر کے ان کی طرح اداس ہو جاتا ہے۔ ان افسانہ نگاروں نے سچی بات کو سادہ انداز سے کہہ کر اس درد کو طنز کے ساتھ قارئین تک پہنچایا ہے۔ لیکن جو چیز ان افسانہ نگاروں کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتی ہے وہ شگفتہ پیرائے میں طنز و مزاح کا بیان ہے۔

خواتین افسانہ نگاروں کے افسانوں میں طنز و مزاح کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ اردو کی افسانوی تاریخ میں خالص طنزیہ و مزاحیہ افسانے لکھنے والی خواتین افسانہ نگاروں کی تعداد اگرچہ کم ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے وافر تعداد میں طنزیہ و مزاحیہ افسانے لکھے ہیں خاص طور پر عصمت چغتائی کے مزاحیہ افسانوں کی تعداد نہ صرف قابل ستائش ہے بلکہ ان کے مزاح کا معیار بھی بلند ہے۔ اگرچہ وہ کوئی بڑا مزاحیہ کردار تخلیق نہیں کر سکیں لیکن پھر بھی ان کے چند کردار مزاحیہ کردار کے قریب قریب ضرور ہیں۔

خالص مزاحیہ افسانوں کے ساتھ ساتھ خواتین کے سنجیدہ افسانوں میں بھی طنز کی کمی نہیں ہے۔ پورے نسائی ادب میں خاص طور پر افسانے میں طنز و مزاح کے عناصر موجود ہیں۔ ادب زندگی کا عکاس بھی ہے اور نباض بھی، خاص کر افسانہ وہ صنف ادب ہے جو انسانی زندگی کے قریب تر محسوس ہوتی ہے۔ خواتین افسانہ نگاروں نے بھی اپنے ماحول اور زندگی کے حقائق سے افسانے کا پورا مواد اخذ کیا ہے یوں زندگی کی تلخ حقیقتوں، مشاہدات و تجربات کی تلخی اور ان کے انداز نظر نے افسانے میں طنز کی تندی اور تلخی کو مختلف انداز سے پیدا کیا ہے۔ اس تلخی کو قابل برداشت بنانے کے لیے خواتین افسانہ نگاروں نے افسانے میں مزاح کی چاشنی بھی تحلیل کر دی ہے۔ یوں جن حقائق کو براہ راست بیان کر دینے سے افسانہ دشنام، لعن طعن کی ذیل میں آسکتا تھا طنز و مزاح کی آڑ میں اس کا فنکارانہ اظہار کیا گیا۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو خواتین افسانہ نگاروں کے افسانوں میں طنز و مزاح کی صورت حال بہتر ہے۔ شاید اس لیے کہ ان افسانہ نگاروں نے رومانی تحریک سے جذباتیت اور ترقی پسند تحریک سے جرات اظہار حاصل کر کے افسانوں میں طنز و مزاح کو ترویج دی ہے۔

## حوالہ جات


۱۔ رؤف پاریکھ، ڈاکٹر، اردو نثر میں مزاح نگاری کا سیاسی و سماجی پس منظر، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۶ء، ص:۱۲

۲۔ وقار عظیم، نیا افسانہ، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۹۰ء، ص:۵۶۔۴۸

۳۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، ملتان: کتاب نگر، ۲۰۱۷ء، ص:۱۲۱

۴۔ رشید جہاں اور دیگر افسانے، لاہور: ہاشمی بک ڈپو، ۱۹۳۷ء، ص:۶۱

۵۔ رشید جہاں، افطاری، مشمولہ، شعلہ جوالہ، لکھنو: نامی پریس، ص۔۳۔۴

Vol. 5No.4 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

٦۔ عصمت چغتائی،ڈائن، مشمولہ، کلیاں، لاہور: اردو مرکز، ۱۹۴۰ء، ص:۱۲۰

۷۔ وارث علوی، عصمت کے فن کے چند پہلو، مشمولہ، عصمت چغتائی شخصیت اور فن،(مرتبہ) ایم۔ سلطانہ بخش، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز، ۱۹۹۲ء، ص:۲۴۹

۸۔ محمد عقیل، سید، عصمت اور ان کے افسانے، مشمولہ، عصمت چغتائی شخصیت اور فن،(مرتبہ) ایم۔ سلطانہ بخش، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز، ۱۹۹۲ء، ص:۳۰۲

۹۔ ہاجرہ مسرور، سندباد جہازی کا نیا سفر، مشمولہ، سب افسانے میرے، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۱ء، ص:۴۴۵

۱۰۔ خدیجہ مستور، بوچھاڑ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص:۱۷

۱۱۔ خدیجہ مستور، ٹھنڈا میٹھا پانی، مشمولہ، ٹھنڈا میٹھا پانی، لاہور: مطبوعات، ۱۹۸۱ء، ص:۱۰۶

۱۲۔ الطاف فاطمہ، گواہی، مشمولہ، وہ جسے چاہا گیا، لاہور: فیروز سنز، طبع دوم، جنوری ۲۰۰۴ء، ص:۱۴۴

۱۳۔ فرخندہ لودھی، اتر کاٹو، میں چڑھوں، مشمولہ، رومان کی موت، لاہور: دستاویز مطبوعات، ۱۹۹۷ء، ص:۱۸۷

۱۴۔ خالدہ حسین، مایا، مجموعہ خالدہ حسین، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص:۸۶۷

۱۵۔ قرۃ العین حیدر، داغ داغ اجالا، مشمولہ، شیشے کا گھر، لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۵۴ء، ص:۲۴۳

۱۶۔ قرۃ العین حیدر، کیکٹس لینڈ مشمولہ، شیشے کا گھر، لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۵۴ء، ص:۲۲۷

۱۷۔ بانو قدسیہ، روس سے معذرت کے ساتھ، مشمولہ، نا قابل ذکر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء، ص:۲۶۸